© rasailojaraid.com

قسط:۲۲

ورق ورق زندگی

پروفیسر خالد شبیر احمد

کالج سٹوڈنٹ یونین کا الیکشن:

فرسٹ ائیر سے سیکنڈ ائیر میں آنے کے بعد ہمارے دوستوں کا حلقہ پہلے سے زیادہ وسیع ہو چکا تھا، کالج کے سبھی لڑکے ہم سے اچھی طرح متعارف ہو چکے تھے۔فراغت کے اوقات میں ہم سب دوست ہاکی گراؤنڈ میں جمع ہو کر آپس میں بیٹھتے اور مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے۔بے تکلفی، پھکڑ بازی، گپ شپ، چھیڑ چھاڑ، لطیفہ بازی کے علاوہ کسی ہوٹل کا پروگرام یا کسی کے گھر جمع ہونے کا فیصلہ ہوتا، میاں زاہد سرفراز کا گھر کالج کے ساتھ ہی تھا وہاں پر جمع ہو جاتے۔ چائے کی پیالی پر اسی نوعیت کی گفتگو جاری رہتی۔ ایک دن ایسے ہی سب دوست ایک جگہ جمع تھے کہ کالج میں سٹوڈنٹ یونین کے آئندہ آنے والے الیکشن پر گفتگو ہوئی۔ طے پایا کہ سب دوستوں کی میٹنگ بلائی جائے۔ اُس میٹنگ میں الیکشن میں حصہ لینے یا پھر نہ لینے کا فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ چند روز بعد کالج پریڈ کے ختم ہونے کے بعد کالج کے ہاکی گراؤنڈ میں سبھی دوست اکٹھے ہوئے۔سٹوڈنٹ یونین کے عہدے داروں کی ترتیب ایسے تھی کہ صدر، فورتھ ائیر سے، نائب صدر تھرڈ ائیر سے، سیکرٹری جنرل سیکنڈ ائیر سے اور جائنٹ سیکرٹری فرسٹ ائیر سے منتخب ہوتا تھا۔ اس میٹنگ میں ہمارے گروپ کے سبھی لڑکے شامل تھے۔ میاں زاہد سرفراز، میاں محمد اکبر، عبدالستار، اسلم اجمل، مہر فیروز ڈاہر، فورتھ ائیر سے بابا یونس اور ان کے تمام ساتھی جو تھرڈ اور فورتھ ائیر کے طالب علم تھے۔ غلام رسول شوق، خالد سرفراز، چودھری یونس اور ان کے علاوہ کئی دوسرے لڑکے بھی شامل تھے۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ ہمیں کالج سٹوڈنٹ یونین کے الیکشن میں حصہ لینا چاہیے چونکہ ہمارے گروپ میں اکثریت سیکنڈ ائیر کے طالب علموں کی ہے۔ اس لیے ہمیں سیکرٹری شپ کا امیدوار کھڑا کرنا چاہیے۔ اب امیدوار کون ہو۔ اس پر بات ہوئی تو قرعہ فال میرے نام نکلا کہ خالد شبیر کو امیدوار کھڑا کیا جائے۔ دوستوں کے نزدیک اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ خالد شبیر ہی ہم میں سے تقریر کر سکتا ہے اور الیکشن سے پہلے امیدوار کا کالج کے سب لڑکوں کے سامنے ایک تقریب میں تقریر کرنا ضروری ہے۔ اس لیے خالد شبیر ہی بہتر امیدوار ہوگا۔ یہ فیصلہ طے پاتے ہی ہم سب ساتھی الیکشن کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے، باقاعدہ ہینڈ بل شائع ہوئے۔ مقابلے میں ایف۔ ایس۔ سی کے ایک طالب علم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کا نام شاید غلام دستگیر تھا۔اور جس کے بارے میں یہ سنا گیا کہ سائنس سائیڈ کا وہ مشترکہ امیدوار ہے جسے فرسٹ ائیر سے لے کر فورتھ ائیر کے سائنس کے تمام طالب علموں کی سپورٹ حاصل ہے۔ہمیں چند دنوں کے بعد یہ پتہ چل گیا کہ مقابلہ آسان نہیں سخت ہے۔ لہٰذا ہم نے بھی اپنی الیکشن مہم کو تیز کر دیا۔ پھر اُس تقریب کا دن بھی آ گیا۔ جس دن امیدواروں نے پورے کالج کے طالب علموں کے سامنے تقریر کرنا تھی۔ یہ تقریری مقابلہ الیکشن کا حصہ تھا اور اس مقابلے میں تقریر کا اچھا تاثر الیکشن مہم پر اثر انداز ہوتا تھا۔جس نے اچھی تقریر کی اُسے طالب علموں کے ووٹ مل جاتے تھے۔ میں نے اس تقریری مقابلے میں اپنے مخالف امیدوار سے اچھی تقریر کی۔تقریر کے دوران کئی دفعہ تالیوں کی گونج کی صورت میں مجھے داد دی گئی۔تقریب کے بعد سب دوستوں کے چہروں پر رونق تھی اور تجزیہ یہ تھا کہ آدھا الیکشن ہم جیت چکے ہیں۔ پھر ووٹ ڈالنے کا دن بھی آ گیا۔ کالج کے اندر باقاعدہ الیکشن کمیشن بنایا گیا اور کالج کا ہر کمرہ الیکشن بوتھ بنا۔اور باقاعدہ ووٹ ڈالنے کا سلسلہ شروع ہوا۔کئی گھنٹوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔کالج کے تمام طالب علم اس الیکشن کے ووٹر تھے اور کل تعداد تمام تین ساڑھے تین ہزار تھی۔ ووٹ ڈالنے کا وقت ختم ہوا تو ووٹوں کی گنتی شروع ہوئی،تمام بیلٹ باکس اپنے اپنے کمرے میں کھولے گئے اور اُن کی گنتی شروع ہوئی۔ ہر کمرہ سے وقتاً فوقتاً گنتی اُس کمرے میں بھیجی جاتی جہاں پر چیف الیکشن کمشنر کرسی پر بیٹھا مختلف کمروں سے آنے والی تعداد کو ہر امیدوار کے نام درج کرتا تھا۔صورت حال یہ تھی کہ کسی کمرے سے چار ووٹ میرے زیادہ ہوتے تو کسی کمرے سے دو چار ووٹ میرے مخالف امیدوار کے زیادہ ہوتے تھے،ہم دونوں امیدوار ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہی کھڑے یہ سب تماشہ دیکھ رہے تھے۔اور کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کون جیتے گا۔ آخر جب تمام کمروں سے ووٹ آ گئے تو پھر آخری گنتی شروع ہوئی۔اس وقت میری اور میرے مدِّ مقابل کی کیفیت ناقابلِ بیان تھی کہ دیکھیں کون جیتتا ہے۔کبھی وہ مجھے تسلی دیتا تو کبھی میں اُسے کہتا کہ کوئی بات نہیں اگر تو جیت گیا تو تیری جیت پر سب سے پہلے میں تمہیں مبارک دوں گا۔ بالآخر نتیجہ مکمل ہو گیا۔سب سے پہلے صدر کا اعلان ہوا اور اُس کے بعد نائب صدر اور اُس کے بعد ہمارا نتیجہ کا اعلان ہوا تو میں صرف چار ووٹوں کی اکثریت سے جیت گیا۔بس پھر کیا تھا۔کمرے سے باہر آنے سے پہلے ہی نتیجے کے بارے میں تمام طالب علموں کو پتہ چل چکا تھا کہ میں نے الیکشن جیت لیا ہے۔دوستوں کا جوش وخروش کم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔کسی دوست نے شہر کے مشہور بینڈ باجے والی ٹیم کو بلوا لیا اور میرے دوستوں نے مجھے کندھوں پر اٹھا لیا اور پورے شہر یعنی گھنٹہ گھر کے تمام بازاروں میں مجھے کندھوں پر اُٹھائے جلوس کی صورت میں گھومتے پھرتے رہے۔اسی دوران شام ہو گئی تو جلوس بھی ختم ہو گیا۔اور پھر ہم خاص دوست کسی ہوٹل میں بیٹھ کر چائے کی پیالی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھکن اُتار کر گھروں کو واپس آئے۔لیکن میں نے گھر کے کسی فرد سے الیکشن کے بارے میں کوئی بات یا کسی قسم کا کوئی تبصرہ نہیں کیا کہ میرے لیے یہ اعزاز تو تھا لیکن ایسا نہیں کہ اس پر اتراتا پھروں اور اس کے گیت گاتا پھروں ۔ ہاکی کھلاڑی ہونے کی وجہ سے یہ بات اب میری لیے معمول ہوگئی تھی کہ شکست پر صدمہ بھی عارضی سا ہوتا تھا اور جیت پر خوشی بھی عارضی سی ہوتی تھی۔

کالج کونسل کے سامنے پیشی:

سیکرٹری سٹوڈنٹ یونین بنے ابھی کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ مجھے زندگی کے ایک اہم ترین واقعے کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ایک ایسا امتحان تھا کہ اگر میری ذہنی تربیت میری جماعت مجلس احرارِ اسلام نے نہ کی ہوتی تو شاید میں اس امتحان میں فیل ہوجاتا تو نہ جانے کن حالات وحادثات میں مبتلا ہوجاتا اور وہ حالات اتنے خوش کن نہ ہوتے جیسا کہ بعد میں میری زندگی بسر ہوئی کہ شعبہ تدریس سے منسلک ہوکر اچھے ماحول میں پڑھے لکھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ ملا۔ اور یہ اُنہی صحبتوں کا ثمر ہے کہ آج کچھ لکھ بھی سکتا ہوں اور کچھ کہہ بھی سکتا ہوں۔ اگر دیکھا جائے تو بنیادی طور پر یہ سب کچھ اللہ کا کرم ہی تھا لیکن وسیلہ مجلس احرار اسلام کی ذہنی تربیت بنی جس پر اللہ کا جتنا بھی شکر کروں کم ہے۔

ہوا یہ کہ ایک دن حسبِ معمول ہم اپنے کمرے میں بیٹھے پروفیسر شور علیگ صاحب کا انتظار کر رہے تھے۔ جن سے ہم فارسی پڑھتے تھے۔ ہم روزانہ اُن سے اسی کمرے میں پڑھتے تھے اور اُن کے انتظار میں تھے کہ اچانک پروفیسر خواجہ نذیر جو سائنس کے کسی مضمون فزکس یا پھر کیمسٹری کے پروفیسر تھے اچانک اپنی پوری کلاس کو لے کر ہمارے کمرے میں آ گئے اور کہنے لگے کہ کلاس خالی کرو یہاں پر میں نے اپنی کلاس کو پڑھانا ہے۔ ہم سب اس پر حیران ہوگئے اور اُن سے کہا کہ ہم تو اس کلاس روم میں فارسی پڑھتے ہیں۔ اس پر انہوں نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا میں جو کہتا ہوں کلاس روم خالی کر دو اور یہاں سے چلے جاؤں اس پر ہم کلاس چھوڑ کر سبھی باہر برآمدے میں آ گئے تو سامنے سے پروفیسر شور علیگ صاحب ہمیں پڑھانے کے لیے آ رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ تم کہاں چل دیے ہو، کمرے سے باہر کیوں آ گئے ہو؟ ہم نے جواب میں وہ سب کہا جو ہمارے ساتھ ہوا تھا۔ اس پر شور علیگ صاحب نے کہا میرا تو انتظار کیا ہوتا۔ ہم نے کہا کہ پروفیسر صاحب اتنے ناراض ہو رہے تھے کہ آپ کے انتظار کا اُنہوں نے ہمیں موقع ہی نہیں دیا۔ اس پر شور صاحب ہمیں ناراض ہوئے اور کہا آؤ پھر آج درختوں کے نیچے ہی پڑھو۔ چنانچہ اس روز ہم درختوں کے نیچے اُن کے لیکچر سے مستفید ہوئے جب اُن کا پیریڈ ختم ہوا تو اُنہوں نے کہا کہ کل اُسی کمرے میں پڑھائی ہوگی اور میرے آنے تک آپ نے کمرہ نہیں چھوڑنا۔ میرا انتظار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا۔ خاص طور پر یہ بات اُنہوں نے مجھے مخاطب کر کے کہی۔ دوسرے روز ہم فارسی والے سبھی طالب علم اُسی کمرے میں آ کر بیٹھ گئے جہاں ہم پہلے فارسی کا پیریڈ پڑھتے تھے۔ وہی ہوا کہ خواجہ نذیر صاحب پہلے روز کی طرح پھر اپنی ساری کلاس کو لے کر آئے اور اُنہوں نے انتہائی غصے میں کہا کہ کلاس چھوڑ دو۔ یہاں پر میں نے اپنی کلاس کو پڑھانا ہے۔ میں نے کھڑے ہو کر اُن سے انتہائی مؤدبانہ انداز میں گزارش کی:

''سر! شور صاحب نے کہا ہے کہ میرے آنے تک کمرہ نہ چھوڑنا اور اُن کا انتظار کرنا۔ اُنہیں آ لینے دیجیے تو ہم کمرہ چھوڑ دیں گے۔''

بس پھر کیا تھا۔ خواجہ نذیر صاحب غصے میں آئے اور انہوں نے بجلی سی تیزی سے مجھے میرے گریبان سے پکڑا اور کہنے لگے:

''تم غنڈے ہو، کالج کے کھلاڑی سارے کے سارے غنڈے ہیں اور تم اُن غنڈوں کے لیڈر ہو۔ تمہارا رویہ بدمعاشوں والا ہے، آؤ میں تمہیں آج پرنسپل کے سامنے پیش کرتا ہوں۔''

میں تو یہ سب کچھ سن کر سکتے میں آ گیا اس کے بعد اسی طرح گریبان سے پکڑ کر پورے برآمدے میں مجھے کھینچتے ہوئے مجھے پرنسپل صاحب کے سامنے پیش کر دیا اور پرنسپل میاں نامدار جنہیں ہمارے کالج میں آئے ہوئے ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا پہلے پرنسپل تاج محمد خیال کی جگہ آئے تھے کو خطاب کرتے ہوئے کہ:

''اس کالج کے تمام کھلاڑی غنڈے ہیں۔ اُنہوں نے پورے کالج کو اپنی غنڈہ گردی کا نشانہ بنا رکھا ہے اور یہ لڑکا ان غنڈوں کا سردار ہے۔ یا یہ لڑکا اس کالج میں رہے گا اور یا پھر میں اس کالج میں پڑھاؤں گا۔''

پھر اس میں لطف کی بات یہ ہے کہ میری ان پروفیسر صاحب سے کبھی بات چیت بھی نہیں ہوئی تھی حتیٰ کہ میں نے ان کو اس سے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ جہاں تک اُن کے الزام کا تعلق ہے اس میں کسی قسم کی کوئی صداقت نہیں تھی۔ یہ سارے الزامات سراسر بے بنیاد اور بے سروپا تھے۔ ان کے اس غیر معمولی رویہ کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک تو چودھری غلام رسول ڈی۔ پی۔ ای صاحب کی ذات سے ہم کار اساتذہ کی نفرت اور اختلافات تھے اور دوسرے ان خواجہ نذیر کے بارے میں بعد میں پتہ چلا کہ حضرت قادیانی تھے۔

بہر حال میں نے اپنے نئے پرنسپل کو اُن کے الزامات کے جواب میں کہا کہ:

''سر ایسی کوئی بات نہیں ہے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اسے تسلیم نہیں کرتا نہ ہی تو میں غنڈہ ہوں اور نہ ہی غنڈوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیڈر رہوں۔کل کی بات ہے کہ مجھے پورے کالج کے لڑکوں نے ووٹ دے کر سٹوڈنٹ یونین کا سیکرٹری جنرل منتخب کیا ہے، اگر میں ایسا ہوتا تو سیکرٹری کیوں بنتا؟ میں نے تو ایک پروفیسر کا پیغام ان تک پہنچایا تھا کہ پروفیسر شور صاحب کو آنے دیجئے اور اگر اس پر بھی اُن کو غصہ آیا ہے تو میں ان سے معافی مانگتا ہوں۔''

لیکن خواجہ نذیر صاحب نے اس پر اصرار کیا کہ اس کیس پر کالج کونسل کی میٹنگ بلائی جائے۔ چنانچہ پرنسپل جو بالکل نئے تھے اور اُنہیں اس ساری صورت حال کے پس منظر کا کچھ علم نہیں تھا اُنہوں نے پروفیسر صاحب کے کہنے پر کالج کونسل کی میٹنگ بلانے کی حامی بھر لی۔

اس واقعے میں دو باتیں بڑی عجیب تھیں اور میں آج بھی اس پر حیران ہو جاتا ہوں کہ یہ واقعہ ذمہ دار پروفیسروں کی غلطی سے ہوا۔ پہلی غلطی تو پروفیسر ظرافت علی صاحب کی تھی جو کالج کے وائس پرنسپل تھے۔ کالج کے کمرے پروفیسروں کو وہی الاٹ کرتے تھے۔ پھر کمرے کم تھے اور طلبا زیادہ، اکثر کلاسیں گراؤنڈ میں درختوں کے نیچے ہوا کرتی تھیں۔ جس کمرے میں ہم پروفیسر شور علیگ سے فارسی پڑھتے تھے وہ کمرہ شور صاحب کو الاٹ کیا گیا تھا۔ اُسی کمرے کو بعد میں خواجہ نذیر صاحب کو الاٹ کر دیا گیا لیکن ظرافت صاحب نے اس بارے میں شور علیگ صاحب کو نہیں بتایا کہ اب کمرہ آپ کی بجائے پروفیسر نذیر کو الاٹ کر دیا گیا۔ دوسری غیر سنجیدگی پروفیسر شور علیگ کی تھی کہ وہ وقت پر کلاس روم میں نہیں آئے اور نہ ہی اُنہوں نے سارے معاملے کی اہمیت کو محسوس کیا اگر وہ پرنسپل صاحب کے پاس جا کر سب کچھ بتا دیتے اور میرے حق میں گواہی دیتے تو معاملہ اتنا سنگین نہ ہوتا اور نہ ہی مجھے کالج کونسل میں پیش ہونا پڑتا۔ بلکہ جب دوسرے دن مَیں نے سوچا کہ اس سارے معاملے کے بارے میں شور صاحب کو آگاہ کر دوں، لہٰذا میں نے اس غرض سے جب انہیں تلاش کیا لیکن شور صاحب تو اس دن بھی نہ آئے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا۔ جب اس سارے واقعے کا علم ہمارے ہاکی انچارج اور کوچ چودھری غلام رسول ڈی۔ پی۔ ای صاحب کو ہوا تو انہوں نے مجھے اپنے آفس میں بلوا لیا۔ وہاں پر سارے کالج کے کھلاڑی بھی پہلے سے جمع تھے اور اُنہیں کہہ رہے تھے کہ اگر شبیر کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی ہوئی تو ہم کالج کے اندر اس کے خلاف مظاہرہ بھی کریں گے اور احتجاجاً ہڑتال بھی کر دیں گے۔ لیکن چودھری صاحب نے اُنہیں سختی کے ساتھ منع کیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے اس مسئلے کو تدبر کے ساتھ حل کرنا ہے یہاں پر جوش کی نہیں ہوش کی ضرورت ہے اور پھر مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

''دیکھو شبیر۔ تم سب سے پہلے تو یہ کرو کہ طارق آباد میں خواجہ صاحب کے گھر چلے جاؤ اور اُن سے معافی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درخواست کرو۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہو رہا ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ ایسے میں تمھیں بے قصور قربانی کا بکرا بنایا جا رہا ہے۔ فوری طور پر میرے اسی حکم کی تعمیل کرو۔ میں نے سب کچھ چھوڑ کر فوری طور پر اس پر عمل کیا اور طارق آباد میں اُن کے گھر جا کر اُن سے معافی مانگی تو جواب میں اُنہوں نے کہا کہ:

''کوئی معافی نہیں۔ معاملہ اب کالج کونسل کے سپرد ہے اور وہی کونسل تمہارا فیصلہ کرے گی۔''

اس پر میں انتہائی پریشان حال گھر پہنچا کہ اب نہ جانے کیا ہوگا۔ مجھے اس بات کا شدید احساس تھا کہ معاملہ انتہائی سنگین ہے اگر کالج کونسل نے مجھے تین چار سال کے لیے سزا کے طور پر کالج سے نکال دیا اور اس کے بعد کسی اور کالج میں میرا داخلہ بھی نہ ہو سکا تو کیا ہوگا؟ کالج کونسل کی سزا ایسا ہی ہوتا تھا کہ خارج ہونے پر کسی دوسرے کالج میں بھی داخلہ ممکن نہیں ہوتا تھا۔

بہر حال مجھے کالج کونسل میں حاضر ہونے کا نوٹس مل گیا اور وہ دن بھی آ گیا۔ جس دن مجھے کالج کونسل میں پیش ہونا تھا۔ پرنسپل صاحب اپنی کرسی پر بیٹھے تھے اور ایک طرف کالج کے سینئر پروفیسر حضرات غالبًا چار یا پانچ تھے وہ تشریف فرما تھے۔ خواجہ نذیر صاحب بھی پروفیسروں کے ساتھ کرسی پر تشریف فرما تھے۔ سب سے پہلے خواجہ صاحب کا بیان ہوا۔

''کہنے لگے کہ یہ لڑکا انتہائی قابلِ اعتراض کردار کا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ پہلے یہ اس کالج میں داخل ہوا۔ پھر اس کالج سے مائی گریشن کر کے زرعی کالج چلا گیا۔ اور پھر اس نے نہ جانے کیوں اور کہاں ایک سال بسر کیا اور پھر یہ پچھلے سال یہاں پر دوبارہ داخل ہوا۔ اس نے اپنا ایک گروپ بنایا ہوا۔ اور یہ اُس گروپ کا لیڈر ہے اس کا کام ہی پروفیسروں کی بے عزتی کرنا ہے۔ لہٰذا اسے سخت ترین سزا دی جائے کہ کالج کا ڈسپلن اسی کا تقاضہ کرتا ہے۔''

اس پر پرنسپل صاحب نے جو کالج میں بالکل نئے نئے تھے ابھی انہیں آئے ہوئے چند دن ہی ہوئے تھے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم اس پر کچھ کہنا چاہتے ہو تو میں نے کہا کہ جی ہاں! میں اپنی پوزیشن واضح کرنا چاہتا ہوں۔

''میں نے کہا کہ جو کچھ پروفیسر صاحب نے میرے بارے میں کہا ہے میں اسے تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں۔ میں نے صرف ایک پروفیسر کا پیغام ان تک پہنچایا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری بات نہیں۔ مجھے آج تک اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ یہ معاملہ جو بالکل معمولی نوعیت کا تھا یہ کالج کونسل تک کیسے پہنچ گیا۔ آپ اس بارے میں پروفیسر شور علیگ صاحب سے دریافت کر سکتے ہیں۔ جب یہ پروفیسر صاحب مجھے گریبان سے پکڑ کر آپ کے پاس لے آ رہے تھے تو میں نے راستے میں بھی ان سے معافی مانگی تھی کہ اگر آپ کو غصہ آ گیا ہے یا آپ کو اس سے رنج پہنچا ہے میں اس پر آپ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معافی مانگتا ہوں۔لیکن انہوں نے میری ایک نہیں سنی۔ پھر آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ میں اس کے بعد ان کے گھر اکیلا گیا اوران سے گھر جا کربھی معافی مانگی لیکن انہوں نے مجھے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔(اسی دوران کالج کے کچھ لڑکے پرنسپل کے دفتر کے باہر جمع ہو گئے اور کچھ شور سا محسوس ہوا۔اس پر مجھے پرنسپل صاحب نے مجھے کہا کہ باہر جا کر دیکھو کہ یہ کون ہیں اور کیوں جمع ہیں۔ میں نے باہر جا کر طلبا کو سمجھایا کہ آپ یہاں پر جمع نہ ہوں یہ میرا معاملہ ہے اور اسے خود حل کرلوں گا۔آپ کا یہاں پر جمع ہونا میرے لیے نقصان کا باعث ہے۔وہ چلے گئے پھر میں نے اپنا بیان پرنسپل صاحب کے سامنے دوبارہ شروع کیا لیکن اب میرے بیان میں تبدیلی آ گئی تھی اور لہجہ بھی تبدیل ہو چکا تھا) میں حیران ہوں کہ میں اپنے کالج میں کیسے اور کیوں ایسا مجرم بن گیا ہوں جس جرم کی معافی سرے سے ممکن ہی نہیں۔ میری آنکھوں میں آنسو تھے اور میں کہہ رہا تھا کہ دیکھیں پرنسپل صاحب میں ایک غریب خاندان کا فرد ہوں۔ میرے ماں باپ نہ جانے کیسے گزر بسر کر رہے اور توقع لگائے بیٹھے ہیں کہ میں پڑھ لکھ کر ان کی مالی امداد کا سبب بنوں گا مجھے تو یہ بات سمجھ ہی نہیں آتی کہ میں اپنے اساتذہ کے درمیان کھڑا ہوں یا کسی پولیس سٹیشن میں قتل کے مقدمے میں ملوث ہوں۔ایک بات یاد رہے یہ بات آپ پر آج نہیں تو کل واضح ہو جائے گی کہ میں بے قصور ہوں اور اگر آج میرا تعلیمی مستقبل تباہ ہوا تو قیامت کے دن میرا ہاتھ ہو گا اور آپ سب کا گریبان ہو گا اُس وقت آپ کے پاس مجھے سزا دینے کا کوئی جواز نہیں ہو گا۔ میں نے اُن پروفیسر صاحب سے اُس وقت بھی معافی مانگی تھی اس کے باوجود کہ میں بالکل اور ہر لحاظ سے بے قصور تھا۔ میں نے ان کی کوئی گستاخی نہیں کی اوران کے گھر جا کر بھی معافی مانگی تھی۔انہوں نے نہ اُس وقت مجھے معاف کیا اور نہ ہی اپنے گھر میں مجھے معافی دی۔اس کے باوجود اگر آپ نے مجھے سزا دی تو اس پر میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا ہے۔اب میرے پاس کہنے کو کچھ باقی نہیں ہے۔''

یہ سن کر میں نے دیکھا کہ پرنسپل صاحب اور تمام اساتذہ بالکل خاموش تھے جیسے سکتے میں آ گئے ہوں، میری آواز دکھ درد میں ڈوبی ہوئی تھی، آنکھوں میں میرے آنسو تھے اور بات بالکل واضح تھی کہ مجھے کچھ نہ کرنے کے باوجود سزا دی جا رہی تھی۔اس پر پرنسپل صاحب نے مجھے تھوڑی دیر باہر جانے کو کہا کہ ابھی آپ کو دوبارہ بلاتے ہیں۔ میں دفتر کے باہر چپڑاسی کے سٹول پر بیٹھ گیا۔میرے اردگرد طلبا پھر جمع ہو گئے، کیا ہوا کیا ہوا۔ میں نے کہا کچھ نہیں ابھی ہونے والا ہے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ابھی دس پندرہ منٹ ہی گزرے تھے اس دوران نہ جانے پرنسپل صاحب اور اساتذہ کے درمیان کیا بات چیت ہوئی مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ جب میں دوبارہ پرنسپل صاحب کے دفتر میں گیا تو مجھے پرنسپل صاحب نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتہائی پیار اور نرم لہجے میں کہا کہ:

"دیکھو آپ ایسا کریں کہ ایک کاغذ پر لکھ کر ایک معافی نامہ داخل کرا دیں اور اس کے بعد معاملہ ختم ہو جائے گا۔"

میں نے فوراً وہیں سے کاغذ اور قلم لیا بلکہ خود پرنسپل صاحب نے کاغذ اور قلم میرے آگے رکھ دیا اور میں نے جو کہا گیا تھا وہ لکھ دیا کہ اگر میری کسی بات سے پروفیسر صاحب کو رنج پہنچا ہے تو میں اس کے لیے اُن سے معافی مانگتا ہوں۔ اس پر وہ کاغذ تو پرنسپل صاحب نے اپنے پاس رکھ لیا اور کالج کونسل سے اُنھوں نے کہا: "اس کالج کونسل کی کارروائی کو کسی ریکارڈ کا حصہ نہ بنایا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ جیسے یہ میٹنگ ہوئی ہی نہیں۔"

یوں اس مشکل سے جو مجھے مرتے دم تک یاد رہے گی نجات حاصل ہوئی۔ دوسرے دن مجھے پرنسپل صاحب خصوصی طور پر علیحدگی میں بلا کر کہا کہ:

"میں نے تمھاری تقریر سے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تم بے قصور ہو۔ میں نے تمھارے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں جس میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے تم سزا کے مستحق ٹھہرتے۔ میرے پیٹھ پر اُنھوں تھپکی دی اور کہا کہ جب تک میں یہاں ہوں تم پڑھتے بھی رہو اور کھیلتے بھی رہو۔ تمھیں اساتذہ کی طرف سے کسی قسم کا کوئی خطرہ پیش نہیں ہوگا۔"

میں نے پھر چودھری صاحب سے ملاقات کر کے اُنھیں سب کچھ بتا دیا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ کہ تم بچ گئے ورنہ یہ لوگ تو تمھیں سزا دے کر مجھے اس کالج سے فارغ کرنا چاہتے تھے۔ تمھیں کیا معلوم کہ یہ سازش کیا تھی اور کیوں تیار کی گئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ حضرت قادیانی تھے اور اُنھیں اس بات کا بھی علم تھا کہ اس نے تحریکِ ختمِ نبوت میں بطور رضا کار کام بھی کیا تھا۔ دوسری وجوہات کے علاوہ یہ بھی ایک وجہ ضرور تھی۔

© rasailojaraid.com